سرزمین عجم میں تانیثیت کی اوّلین آواز

ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ*

Abstract:

This article focus the legendary character of Iran, who inspired the world and especially the government of Qachaar with her will and belief. She was the woman of expression with her knowledge, beautiful personality, speech; rich in arguments. She was the founder member of Behais; who have no substance without this living character.

She was a great Persian poet, who influenced the poetry of the region especially and her poetic creations are well acknowledged by the world at literary scenario.

She was born in 1817 in a Muslim religious family and passed a very hectic life, full of struggle to convince the concerned on her believes and sacrificed her life to her self carved mission. Her determinations were so strong which influenced eminent scholars of the world including Allama Iqbal who praised her exclusively.

When she was murdered, history tells that her assassinators were frightened of her bravery, whereas she left the world with courageous impressions.

"آپ مجھے جان سے مار سکتے ہیں، مگر آپ عورتوں کی آزادی کو نہیں روک سکتے۔"

* شعبہ اُردو، بین الاقوامی اُردو یونیورسٹی، اسلام آباد

احتجاج ومزاحمت سے بھر پور یہ آواز اس شخصیت کی ہے جو کہ خود شاعرہ تھی اور جدید شاعری کا سرِ آغاز بھی۔وہ ایک نئے مذہب کے بانی اراکین میں سے تھی۔ تعلق سرزمین ایران اور زبان فارسی سے تھا، ترکی و عربی زبان پر عبور رکھتی تھی، یہ شاعرہ شاعری سے زیادہ اپنی ثابت قدمی، مستقل مزاجی اور جاں نثاری کی بنا پر معروف ہوئی۔حسن وخوبصورتی کے ساتھ ساتھ اس کی ذہانت وفطانت کو دنیائے علم وادب سے تعلق رکھنے والے معروف و مستند اہل قلم نے تسلیم کیا۔

''اگر وہ عورت نہ ہوتی تو درجہء اجتہاد پر فائز ہوتی۔''(۱)

۱۸۱۷ء میں تہران کے نزدیکی شہر قزوینمیں پیدا ہونے والی یہ شاعرہ قرۃ العین طاہرہ کے نام سے مشہور ہوئی۔قرۃ العین طاہرہ ان زمانہ ساز شخصیات میں سے ایک ہے جس کے خطابات والقابات کی کثیر تعداد نے اس کا اصل نام لوگوں کے ذہنوں سے محو کردیا۔ فارسی، عربی، انگریزی اور دیگر کئی زبانوں میں اس پر لکھا گیا۔اس کی شخصیت وشاعری کو موضوع بنایا گیا۔سرزمینِ ایشیا میں عورتوں کی آزادی اور مرد وعورت کے مساوی حقوق کا مطالبہ کرنے والی یہ پہلی آواز تھی۔

تاریخ ادبیات ایران یا بابی و بہائی تحریک ہی نہیں، دنیا کے تقریباً ہر ادب میں آزادی نسواں کے حوالے سے لکھی جانے والی تحریر میں قرۃ العین طاہرہ کا ذکر موجود ہے۔

مغرب کی سیاسی سماجی اور اعلیٰ ادبی مقام رکھنے والی کئی شخصیات نے قرۃ العین کی ذہانت وفطانت اور بیداری نسواں کے لیے جدوجہد اور جاں نثاری کو سراہا ان میں لارڈ کرزن، ڈی گوبینو، سیسونکلا، ڈاکٹر ٹی کے چینی، ینگ ہسبنڈ، ویمبری، براؤن، مارتھا روٹ، دالیفورس بارنی، کلارا اے ایچ، ایساندرد بوسانی اور ڈاکٹر این میری شمل قابل ذکر ہیں۔مغربی مفکرین ہوں یا عوام، سبھی کے لیے مشرق ایک اسرار سے پر خطہ رہا ہے یہاں کے باشندے اور ان کی روحانی وارداتیں انہیں اپنی طرف متوجہ کرتی رہی ہیں۔

مشرقی ممالک میں کئی تخلیق کار طاہرہ کی زندگی، شخصیت، کلام اور فداکاری سے متاثر ہوئے، ان میں عبدالغفور نساخ، عبدالحلیم شرر، علامہ محمد اقبال، پروفیسر پریتم سنگھ، شیخ عبدالقادر، سلیمان ناظم، مرزا قلیچ بیگ، پروفیسر عزیز احمد، پروفیسر محمد اسحاق، مولانا غلام رسول مہر، مولانا ابوالکلام آزاد، عظیم قریشی، منظور الٰہی، گر بخشانی، سررائے بہادر سپرو، سروجنی نائیڈو، ٹیگور، پروفیسر ہدایت حسین، خواجہ حسن نظامی، مختار مسعود، ثاقب حزیں، جمیلہ ہاشمی، مقبول انور داؤدی، صادق الخیری، پروفیسر محمد اسحاق، پروفیسر محمد ارشاد، جگن ناتھ آزاد، حبیب جالب، سہیل احمد خان، نسیم امروہوی، مقبول بیگ مشتاق، مسعود کشفی، اختر حسین رائے پوری، مسعود جاوید، کرم حیدری، ڈاکٹر محمد ریاض، تابش

دہلوی، جیلانی کامران، نیلم فرزانہ، پروفیسر محمد اکرم اکرم، ظہور الدین احمد، قمر ہاشمی، سید امجد الطاف، محمد علی صدیقی، سائرہ ہاشمی، کلیم اختر، جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال، شبنم رومانی، ڈاکٹر شاہد مختار، خالد احمد، ضیا احمد بدایونی، الطاف علی قریشی، جان ایلیا، ڈاکٹر صابر آفاقی، مقصود حسنی، مستنصر حسین تارڑ اور احمد فراز وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں

اس سحر طراز شخصیت کا نام ام سلمہ تھا۔ قرۃ العین اور طاہرہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ ام سلمہ نام کسی کو بھی معلوم نہیں۔ یہ بات کہ ایک آدمی کسی ایسے نام سے مشہور ہو جائے جو نہ اس کا نام ہو نہ تخلص، نہ لقب نہ یہ معلوم ہو کہ وہ نام کس نے دیا اور کب دیا۔ بس یونہی وہ نام اس کے ساتھ متعلق ہو جائے۔ کتنی عجیب بات ہے اور کس قدر گہری علامت ہے اس کے ساتھی اس کو ''زریں تاج'' بھی کہتے ہیں۔ (۲)

کرار حسین اس کا نام 'ام سلمہ' بتاتے ہیں۔ قواعد کی رو سے ام سلمہ نام نہیں بلکہ کنیت ہے۔ قرۃ العین کا لقب ذکیہ تھا۔ عزیز احمد کے مشہور افسانے ''زریں تاج'' کا اقتباس دیکھئے:

> ''میرا نام زریں تاج تھا، میں قزوین میں پیدا ہوئی............ یہاں تک کہ جب باپ نے دیکھا کہ علم مناظرہ اور جوش محبت میں بڑے بڑے فاضل میرے مقابل ٹھہر نہ سکیں گے تو اس نے مجھے کھلم کھلا تبلیغ کا حکم دے دیا۔ وہ جو آفتاب بصیرت تھا۔ اس نے مجھے قرۃ العین (آنکھ کی پتلی) کا خطاب دیا۔ دوسرے بابی بھی مجھ سے بحث کرتے کرتے عاجز آجاتے۔ انہوں نے باب سے میری شکایت لکھ بھیجی۔ اس پیر باب نے ''طاہرہ'' کا لقب دیا۔ اس لقب کو میں نے اپنا تخلص بنالیا...... اس (باب) نے مجھے طاہرہ کا خطاب دیا تھا۔ یہی میرا تخلص تھا۔''(۳)

عزیز احمد ''طاہرہ'' کو ایک جگہ خطاب اور دوسری جگہ ''لقب'' تحریر کرتے ہیں۔

> ''قرۃ العین طاہرہ (۱۸۵۲ء) نام فاطمہ زریں تاج' حسین و ذہین شاعرہ...... باب سے بابیت کی تبلیغ کی اجازت...... باب کا مکتوبات میں قرۃ العین لکھ کر تخاطب...... اسی نام سے مشہور...... باب کے پیروؤں کی طرف سے ''شمس الضحیٰ'' کا لقب...... بہاءاللہ کی طرف سے ''صدیقہ'' کا خطاب۔''(۴)

> ''مشہور ایرانی شاعرہ اصل نام زریں تاج...... باب نے اسے تبلیغ کا حکم دیا اور قرۃ العین کا خطاب دیا۔''(۵)

> ''انیسویں صدی میں عجم کی سرزمین پر جلوہ گر ہونے والی ام سلمیٰ قرۃ العین طاہرہ، زریں تاج جون آف آرک سے بھی زیادہ حیران کن مظہر ہے۔''(٦)

> ''مشہور ایرانی شاعرہ، اصل نام زریں تاج۔۔۔ قرۃ العین کا خطاب علی محمد باب نے دیا۔'' (۷)

مارتھا روٹ، امریکی نژاد مصنفہ جو قرۃ العین طاہرہ کی شخصیت سے حد درجہ متاثر تھیں۔ قرۃ العین طاہرہ کی

حیات وتعلیمات پر مشتمل 'طاہرہ دی پیور' کے عنوان سے ایک مبسوط مقالہ رقم کیا۔ مذکورہ کتاب میں کئی مقامات پر انہوں نے طاہرہ کے نام، خطاب اور لقب کا تذکرہ کیا ہے۔

'طاہرہ' نام بہاءاللہ نے آپ کو دیا تھا۔ سیّد کاظم رشتی نے جو آپ کے قیام کربلا کے معلم تھے، 'قرۃ العین' کے نام سے پکارتے تھے۔ قرۃ العین کے معنی ہیں آنکھوں کی ٹھنڈک۔ دوسرے نام یہ ہیں 'زرین تاج' جس کے معنی ہیں سونے کے تاج والی۔ آپ کو ''نقطہ'' بھی کہتے تھے۔ آپ کے والدین نے جو نام آپ کا رکھا تھا اس کا تاریخ میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کا روحانی پہلو کتنا طاقتور تھا۔ (۸)

> ''طاہرہ کی بصیرت اور حسن سیرت کے سبب جناب سید نے آپ کو قرۃ العین کا لقب دیا۔''(۹)

> ''بدشت میں جمع ہونے والوں کی تعداد اکیاسی تھی۔ یہ سب لوگ جس دن آئے تھے، واپسی کے دن تک بہاءاللہ کے مہمان تھے۔ ہر روز آپ ایک لوح نازل فرماتے جس کی مرزا سلیمان نوری مجلس میں تلاوت فرماتے تھے۔ آپ نے ہر ایک کو نئے نام سے موسوم کیا۔ تب سے آپ خود بہا کے نام سے موسوم ہوئے آخری حروف حئی کو قدوس کا لقب عطا کیا گیا اور قرۃ العین کا نام طاہرہ رکھا گیا۔''(۱۰)

سیّد علی محمد باب پر ایمان لانے والوں میں قرۃ العین طاہرہ کا اٹھارہواں نمبر تھا (بعض مقامات پر ستارہواں نمبر) اور وہ حروف حئی میں شامل ہیں۔

آپ (باب) نے مومنین کو ہدایت کی کہ وہ جناب طاہرہ کے کہنے پر عمل کریں اور آپ کا ذکر حضرت طاہرہ کے طور پر کیا۔ حضرت عبداللہ اپنی کتاب 'تذکرہ الوفا' میں قرۃ العین کی بجائے اسی نام سے آپ کا ذکر فرماتے ہیں۔ حاجی جانی اپنی تاریخ میں قرۃ العین کا 'ام العالم' کے نام سے ذکر کرتا ہے۔ (۱۱)

قرۃ العین طاہرہ کا اصل نام کہ جو اس کے والدین نے رکھا، بہت کم تذکروں میں رقم ہے۔ یہ نام فاطمہ تھا۔ بہائی اس کا نام 'فاطمہ خانم' بتاتے ہیں۔

فاطمہ خانم کی پیدائش ایک مسلم مجتہد گھرانے میں ہوئی۔ والد کا نام حاجی ملا صالح تھا قرۃ العین ملا محمد صالح کی چار بیٹیوں میں سب سے بڑی تھی۔ ۱۸۱۷ سے قائم شدہ والد کے مدرسہء صالحی سے حصولِ درس کا آغاز کیا۔ والد کی اجازت سے وہ ان تمام دروس میں پردے کے پیچھے بیٹھ کر شریک ہوتی جو وہ اپنے طلبا کو دیا کرتا تھا۔

والد کے بڑے بھائی حاجی ملا محمد تقی بھی ایک بڑے عالم تھے۔ چھوٹے بھائی حاجی ملا علی تھے۔ طاہرہ کی شادی کم سنی ہی میں، چودہ سال کی عمر میں حاجی محمد تقی کے بیٹے ملا محمد سے ہوئی۔ ملا محمد تقی امام جمعہ بھی تھے۔ یوں

قرۃ العین ایک ملا کی بیٹی، ملا کی بیوی، ملا کی بھتیجی اور بہوتھیں۔ شادی کے بعد طاہرہ زیادہ تر اپنے والد کے گھر میں رہی طاہرہ کے تین بچے تھے۔ دو بیٹے ابراہیم اور اسماعیل اور ایک بیٹی۔ بیٹی کی وفات طاہرہ کی وفات کے کچھ عرصے بعد ہی ہوگئی تھی۔ قرۃ العین کا ایک مجتہد خاندان میں جنم لینا، اس کی خداداد صلاحیتوں کے نکھار میں معاون ثابت ہوا۔

> ''ایران کے مجتہدین نہ صرف علم وتہذیب کے مرکز ہوتے تھے بلکہ وہ سیاسی قوت کے مالک حکومت کے مشیر اور لوگوں کے پیشوا بھی ہوتے تھے۔ گویا قرۃ العین کی پرورش تہذیب و مذہب کے بہترین ماحول میں ہوئی اور اسی تہذیب کے ظاہر و باطن سے اچھی طرح واقف تھی۔''(۱۲)

ایک مجتہد اور عالم دین کی بیٹی کی حیثیت سے قرۃ العین نے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ اسے حدیث تفسیر، اصول فقہ، الٰہیات وفلسفہ پر کامل دسترس تھی۔ حسن وصورت اور جادو بیانی کے امتزاج سے اس کی شخصیت دو آتشہ کی کیفیت پیدا کرتی تھی۔

> ''ہمارے عصر کی عورتوں میں ایک مسلم مجتہد کی بیٹی قرۃ العین ہے۔ حضرت باب کے ظہور کے وقت آپ نے ایسی ہمت واستقامت دکھائی کہ جس کسی نے بھی آپ کی تقریر سنی وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ حالانکہ ایران میں قدیم الایام سے پردہ کی رسم چلی آئی تھی مگر آپ نے پردہ اتار کر دور پھینک دیا اور اگرچہ عورت کا مرد کے ساتھ ہم کلام ہونا معیوب سمجھا جاتا تھا مگر اس بہادر عورت نے بڑے بڑے علماء اور فضلاء سے مناظرے اور مباحثے کیے اور سب پر غالب آئی۔ حکومت ایران نے آپ کو قید کرلیا، سڑکوں میں آپ پر پتھر پھینکے گئے اور لعنت پھٹکار کی گئی۔ آپ کو جگہ جگہ شہر بدر کیا۔ موت کی دھمکیاں دی گئیں، مگر آپ نے اپنی بہنوں کی آزادی کے لیے جدوجہد کرنے میں کبھی ہمت نہ ہاری، آپ نے نہایت بہادری کے ساتھ ظلم وستم برداشت کیے...... آخر کار آپ کی درد بھری زندگی ختم ہوئی۔ آپ کو ایک باغ میں لے گئے اور وہاں گلا گھونٹ کر آپ کو شہید کر دیا۔''(۱۳)

ایک عالم دین کی بیٹی کا ایک نئے مذہب کی طرف رجوع کرنا اور اس کے لیے اپنی جان قربان کر دینا اگر صدیوں کی نہیں تو لمحوں کی داستان بھی نہیں ہے۔

اس مذہب کی ابتدا و ترویج کا باعث اسلام میں اس عقیدے کا وجود ہے کہ جس کے تحت نامساعد حالات میں مہدی موعود قوم کی اصلاح کے لیے دنیا میں تشریف لائیں گے اور تاریخ میں اسی طرح کے مہدی مختلف حالات کے تحت سامنے آتے رہے ہیں۔

مختار مسعود اپنی تصنیف 'لوح ایام' میں صفحہ ۲۸۲ تا ۲۸۴ میں اس نئے مذہب کے آغاز وارتقا اور اس کے پیروکاروں اور اس کی حقیقت واضح کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ انیسویں صدی میں ایران میں شیخ احمد احسائی اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس بات کا انکشاف کیا کرتے تھے کہ چند ایسے لوگ اس رنج ومصیبت سے بھری دنیا میں

وارد ہوں گے جو مستقبل کو خوشگوار بنانے کے لیے راہ ہموار کریں گے جس طرح یوحنا پتمسہ دینے والے نے حضرت مسیح کی آمد کی بشارت دی تھی اسی طرح شیخ احمد احسائی اور سید کاظم رشتی نے حضرت باب کے آنے کی بشارت دی۔ وہ کس راستے سے داخل ہوں گے؟ اس کا جواب بھی ان کے پاس موجود تھا یعنی وہ خود اس بھلائی کا دروازہ ہوں گے۔ ان کی بدقسمتی کہ ان کی بات پر اس طرح لبیک نہ کہا گیا جیسا کہ ان کی خواہش تھی اور وہ باب کے لقب سے محروم رہے۔ یہ لقب ان کے ایک جانشین کے لیے محفوظ رہ گیا۔ سید کاظم رشتی (وفات ۱۸۴۳ء) نے اس مذہب کی ترویج کے لیے تین سو کتابیں لکھیں۔ ان کی وفات کے بعد یہ دین تین فرقوں میں منقسم ہوا۔ کریم خانی شاخ، شیخی شاخ اور ملا حسین شاخ، ملا حسین کے مرید سید محمد علی شیرازی نے خود کو مہدویت کا باب کہا۔ اس کے مرید بابی کہلائے۔ اس کے خاص مریدوں میں یحییٰ نوری (صبح ازل) مرزا حسین علی نوری (بہا اللہ) اور قرۃ العین طاہرہ شامل تھے۔ باب نے اسے قرۃ العین کا لقب دیا اور طاہرہ تخلص عطا کیا۔

سیّد علی محمد باب (۱۸۵۰۔۱۸۱۹) اس نئے دین کی تبلیغ و اشاعت کے لیے سرگرم عمل ہوا۔ مجتہدین نے بابیوں پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ بابیوں نے قرۃ العین کے مجتہد سسر کو قتل کیا۔ قتل کے الزام میں قرۃ العین کی گرفتاری کے لیے چھاپے مارے جاتے رہے مگر وہ فرار ہو کر خراسان چلی گئی۔ علی محمد باب کو گرفتار کر کے آذربائی جان کے قلعے میں محبوس کر دیا گیا۔ حکمران وقت ناصر الدین خاچار نے ایک بحث کا بندوبست کیا۔ مناظرے میں کئی مجتہد شریک ہوئے۔ وہ مجتہد جن کی رگوں میں مذہب اور علم خون بن کر دوڑ رہا تھا۔ ان کے دلائل کے سامنے وہ لاجواب ہو گیا۔

علی محمد باب نے بیشتر مسائل سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ زبان، قواعد وضوابط کی پاسداری چاہتی ہے۔ اس کی فارسی و عربی زبان، اس کی علمیت کا پول کھولتی تھی۔ اس کا لہجہ اور تلفظ، اس کے فریب کا پردہ چاک کرتے تھے۔ علی محمد باب کو سزائے موت سنا دی گئی۔ اسے قلعہ کی دیوار کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ گولیوں کی بوچھاڑ نے چہار جانب دھواں پھیلا دیا۔ چند لمحوں بعد دھواں ختم ہوا تو مجمع یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ وہاں لاش کا نام بھی نہ تھا بابیوں نے اسے اپنے دین کی حقانیت اور باب کا معجزہ قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس پسندیدہ بندے کو آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا ہے۔ اصل حقیقت یہ تھی کہ نشانہ خطا گیا تھا۔ گولیاں باب کو لگنے کے بجائے رسیوں کو لگیں اور باب کو فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ وہ بھاگا لیکن کہاں، چھپنے کے لیے جس کمرے میں داخل ہوا وہ انہی پہرے داروں کا نکلا، اب اس کا بچنا مشکل تھا۔ یوں علی محمد باب کا خاتمہ ہوا۔ (۱۴)

خاص بات یہ ہے کہ پچیس سال کی عمر میں باب کا دعویٰ کرنے والے اور اس دعویٰ کے بعد رہائی و گرفتاری کے مرحلوں سے گزرنے والے انتیس سالہ علی محمد باب نے موت سے ایک روز قبل مریدوں پر اپنی حقیقت واضح

کردی......دوستو کل جب تم سے مرے بارے میں استفسار کیا جائے تو تقیے سے کام لینا اور میرا انکار کر دینا۔(۱۵)

اس کے اس اعلان کے باوجود اس کے مرید جو جمود و لاحاصلی کے ماحول سے بددل تھے۔اس کی اس نصیحت کو درخوراعتنا نہ جانتے ہوئے اپنے مذہب پر عمل پیرا رہے۔البتہ یہ ہوا کہ اس کی موت کے فوراً بعد یہ جذباتی جماعت دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ بہائیت اور ازلیت۔علی محمد باب بہااللہ کی خوشخبری دینے والے اور دروازہ تھے۔ بابی مذہب کے آغاز کے نو سال بعد ۱۸۶۳ء میں بہااللہ (۱۸۹۲ـ۱۸۱۷) نے اپنی الواح میں اپنی ذات کی طرف اشارہ دے دیا تھا اور دس سال بعد اپنے حلقہء احباب میں اپنے موعودہ ظہور ہونے کا اعلان کیا۔یوں محمد علی باب نے جس کے لیے راستہ ہموار کیا تھا۔وہ منظر عام پر آ گیا اور اتنا مقبول ہوا کہ اس کے کلام کئی شرحیں لکھی جانے لگیں۔(۱۶)

۱۹۴۸ء میں اسے اسلام سے الگ ایک باقاعدہ مذہب تسلیم کیا گیا۔بابیت کی تعلیمات وعقائد اسلامی تعلیمات سے یکسر مختلف تھیں۔

''......ان کے نزدیک باب کی فارسی تعلیمات پر مبنی کتاب ''بیان'' قرآن کی طرح اللہ کا کلام ہے۔نیز باب کا مرتبہ (نعوذ باللہ) پہلے تمام نبیوں سے بڑھ کر ہے۔وہ قرآن مجید کا آخری شریعت ہونے سے بھی انکار کرتے ہیں اور قرآن کو نامکمل قرار دیتے ہیں۔(نعوذ باللہ) حج بیت اللہ کا مقام بھی ان کے نزدیک مکہ معظّمہ نہیں اور نہ ہی یہ لوگ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ ان کے نزدیک گذشتہ شریعت منسوخ ہو چکی ہے۔نماز،روزہ اور دوسری عبادات اور نبی ﷺ پر درود و سلام بھی غیر ضروری ہے۔(نعوذ باللہ) بابیوں کے نزدیک ہر ایک ہزار سال بعد گزشتہ شریعت تبدیل ہو جاتی ہے۔لہٰذا آپ ﷺ کی شریعت بھی اب باقی نہیں رہی (نعوذ باللہ) اب بابیت پر عمل کرنا لازم ہے اور یہ بھی ایک ہزار سال بعد خود بخود منسوخ ہو جائے گی۔''(۱۷)

دوا یا خوراک کا زائدالمعیاد ہونا سنتے آئے ہیں۔مذہب کا زائدالمعیاد ہو کر ناکارہ ہو جانا یا کارآمد نہ رہنا یا نقصان دہ ہونے کا تصور پہلی مرتبہ بابیت میں دکھائی دیتا ہے۔

''شیخ احمد احسائی کی تعلیمات میں ایک تعلیم جس کے جی اٹھنے کے اعتقاد کے بارے میں تھی۔آپ نے فرمایا کہ جسم مرنے کے بعد زندہ ہوگا بلکہ مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا۔مگر رُوح آسمان پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتی ہے۔''

دوسری تعلیم یہ تھی کہ خدا ہمیشہ اپنے بندوں کی تربیت کے لیے معلم بھیجتا رہا ہے۔اس کا یہ کرم جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔معلم خلق خدا کی رہنمائی کے لیے آتے رہیں گے۔(۱۸)

بابیت کے عقائد اور تعلیمات،اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں،قابل غور امر یہ ہے کہ ایک مجتہد عالم خاندان سے تعلق رکھنے والی مذہبی تعلیم سے مکمل واقفیت اور عبور رکھنے والی اس ذہین وفطین و نابغہء روزگار خاتون نے

کن وجوہات کی بنا پر اپنا مسلک تبدیل کیا۔کبھی یوں بھی ہوا ہے کہ بے انتہا ذہین شخص کی ذہانت یکدم اپنا رخ بدل لیتی ہے۔علم کی انتہا حیرت ہے۔اس انتہا کا انجام غیر معمولی ہوتا ہے اور بسا اوقات نا قابل قبول بھی۔ مذہب میں کیا' کیوں' کیسے کی کھوج انسان کو صراط مستقیم سے بھٹکا دیتی ہے۔ مذہب میں جذب وجنوں کی کیفیت مرد صوفی کو'انا الحق' کا نعرہ بلند کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر

ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

وہ خود کو حق پر سمجھتا اور دوسروں کی نگاہوں میں گنہگار ٹھہرتا ہے۔ لا الہ اللہ کا نعرہ مستانہ، واجب القتل ٹھہراتا ہے۔ بے شک مجذوب سرمد کہتا رہے کہ مجھے لا الہ (نہیں ہے کوئی خدا) کی منزل سے گزر لینے دو' جب یقین ہو جائے گا کہ نہیں ہے کوئی خدا تو الا اللہ کا درجہ آئے گا، سوائے اللہ کے، لیکن یہ اسرار و رموز کی باتیں ظاہر بین کیا جانیں، انہیں تو دنیا اسے مجذ بوں اور مجنوؤں سے پاک چاہیے۔

ایک ذہین وفطین خاتون جو علم وعرفان، زہد و تقویٰ، شعر وادب میں یکتائے روزگار تھی۔حسن و جمال میں اپنی مثال آپ، نادرہ روزگار، شیر دل و عالی ہمت خاتون جو متجر عالمہ، جادو بیان خطیبہ، شعلہ بیاں مقرر تھی۔اس کے آبائی مذہب سے کنارہ کر لینے کی وجوہات ان کے علاوہ کچھ اور بھی ہوسکتی ہیں۔

ایران ساکت و جامد روایات اور رسوم ورواج کی قیود میں جکڑی وہ ارض کائنات تھی کہ جہاں خواتین کے لیے پابندیاں، انہیں پابند سلاسل کرنے کے مترادف تھیں۔ پردے کا رواج شدت سے تھا۔عورت کی آزادی اور اظہار رائے کا مطلق تصور نہ تھا۔قرۃ العین طاہرہ جیسی سحر انگیز شعلہ بیان شخصیت کے ذہن و دل میں خیالات و سوالات کا ازدحام تھا۔ ان حالات میں اس کے لیے باپردہ رہنا یا روایتی انداز زیست اپنائے رکھنا ممکن نہ تھا......ترک رسوم، مثبت اقدار کی طرف بڑھتے قدم، اتحاد انسانیت کی آرزو، بیداری نسواں اور دنیا میں امن و بھائی چارے کا قیام قرۃ العین کی زندگی میں یہ مقاصد ہمیشہ اہم رہے ہیں۔ان آفاقی و کائناتی معاملات ونظریات سے قطع نظر اگر قرۃ العین کی ذاتی زندگی پر نگاہ کی جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہیں لگتی کہ قرۃ العین اور اس کی اس زندگی میں کہیں مطابقت نظر نہیں آتی۔ بے شمار خواتین وہ کام تمام عمر سرانجام دیتی رہتی ہیں جو وہ کرنا نہیں چاہتیں اور جو کرنا چاہتی ہیں اس کے لیے نہ ان کے پاس وقت ہے نہ مواقع نہ اجازت......احتجاج ومزاحمت یا مصالحت، ان حالات میں کون سا رویہ بہتر ہوگا۔

قرۃ العین طاہرہ نے احتجاج ومزاحمت کی راہ اپنائی اور ہر اس روش سے انکار وانحراف کا رستہ اپنایا جو اس

کے نزدیک درست نہ تھا۔قرۃ العین طاہرہ کی شادی کم سنی میں ہی اپنے عم زاد سے ہوئی۔اس معاشرے میں عم زاد سے عشق مشہور سہی، لیکن قرۃ العین کے ساتھ معاملہ برعکس تھا۔شوہر اس کی ذہانت، لیاقت حسن وخوبصورتی اور شعلہ بیانی کہیں بھی، اس کی نظر میں اس سے مطابقت نہ رکھتا تھا...... ہر چند کہ وہ حسن وخوبصورتی میں کسی سے کم نہ تھا۔نجف اشرف میں اس کی قابلیت کا چرچا تھا اور علمی معاملات اس نے کئی مشکل مسئلے اس نے حل کیے تھے۔انتہا سے زیادہ تعریف وتوصیف انسان کو خوش فہمیوں میں مبتلا کردیتی ہے۔طاہرہ کی شخصیت ایسی ہے کہ اسے دوسرے طبقے نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اسے اپنے آبائی مذہب سے تعلق رکھنے والے اعزا واقربا علما کی ملامت بھی واپس نہ لا سکی۔

آپ باز آئیں ملامت سے مری
شوق بڑھتا ہے ملامت سے مرا

بلکہ مخالفین نے شوق کو اور ہوا دی۔اس زمانے کی معاشرتی وسیاسی حالت دیکھی جائے تو تمام معاشرہ سازشوں اور خودغرضیوں کا شکار تھا۔انحطاط پذیر اور زوال آمادہ ساکت وجامد فضا سے سبھی اکتائے ہوئے تھے۔

> ''......اور چونکہ ایک جمود اور لاحاصلی کا ماحول تھا اور لوگوں کے ذہن اور رُوح میں ایک خلا کی سی کیفیت تھی، اس لیے زود اعتقاد طبقوں نے اس دعوے کو تسلیم کر کے اپنے روحانی خلا کو پورا کرنے اور اپنی زندگی میں کچھ معنی پیدا کرنے کا انتظام کیا۔قرۃ العین اپنے باپ کی زیرِ نگرانی تعلیم حاصل کررہی تھی، لیکن اس کی رُوحانی تشنگی اس علم سے آسودہ نہ ہوسکی جس میں بوجھ تھا جان نہیں تھی۔ شیخ احمد احسائی اور سید کاظم رشتی کی تعلیمات میں اس کو کچھ تازہ ہوا چلتی ہوئی محسوس ہوئی۔باپ اور چچا اس تعلیم کے مخالف تھے۔سید کاظم سے قرۃ العین کی خط وکتابت تھی۔ان سے ملنے کا شوق طاہرہ کو ۱۸۴۳ء میں کربلا لے گیا۔لیکن اس کے کربلا پہنچنے سے دس دن پہلے سید کاظم کا انتقال ہوچکا تھا۔ طاہرہ سید کاظم رشتی کے مکان ہی میں رہنے لگیں اور ان کے کچھ شاگردوں کو درس دینے لگی۔''(۱۹)

انہی دنوں ایک روز قرۃ العین نے خواب میں دیکھا ایک نوجوان ہوا میں کھڑا رکوع کی حالت میں مناجات کررہا ہے۔صبح بیدار ہونے پر اس نے وہ مناجات لکھ لی اور جب ملاحسین بشروی شیراز کی طرف روانہ ہونے لگے تو قرۃ العین نے ان سے کہا کہ وہ موعود ہستی کو ضرور پالیں گے اور جب ان سے ملاقات ہو میرا یہ خط ان کی خدمت میں پیش کردیا جائے۔ملاحسین بشروی کی ملاقات محمد علی باب سے شیراز میں ہوئی۔ملاحسین بشروی نے باب کی حقانیت کو تسلیم کیا اور قرۃ العین کا تحریر کردہ خط بھی پیش کیا محمد علی باب نے اسے حروف حیّ میں شامل کرلیا۔ادھر باب کی کتاب احسن القصص طاہرہ کے زیر مطالعہ آئی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس میں وہی مناجات حرف بہ حرف درج تھی۔اس بات نے اس یقین کو اور تقویت دی جو طاہرہ کے دل میں تھا کہ علی محمد ہی نئے باب یعنی مظہر ظہور

الٰہی ہیں۔ (۲۰)

قرۃ العین طاہرہ کا شہر قزوین علما کا گڑھ کہلاتا تھا۔ سو سے زائد عالم اس وقت بھی شہر میں موجود تھے۔ ہر عالم قرآن و حدیث و تفسیر و فقہ میں بے مثال تھا۔ ادھر طاہرہ کا وسیع مطالعہ اور باطنی جوش و خروش اور انقلاب آفرین خیالات و نظریات، ہر سوال کا جواب، اس کے پاس موجود ہوتا۔ خاندان کے علما ہوں یا شہر کے، اس نے سبھی کا مقابلہ حد درجہ دلیری سے کیا۔ اسے اپنی تعلیمات کے فروغ کے لیے قزوین شہر مختصر دکھائی دینے لگا۔ اس نے مختلف شہروں کا رخ کیا۔ جہاں عالم و مفتی پہلے ہی منتظر و تیار ہوتے۔ ان مناظروں اور مباحثوں میں نامور اہل علم کے علاوہ عوام بھی ذوق و شوق سے شریک ہوتے۔ اس کی شعلہ بیانی و بے نظیر فصاحت و بلاغت خاص و عام کو مسحور کر دیتی۔ اس کی برجستہ تقاریر نہ صرف خواتین کی طرف سے داد وصول کرتیں بلکہ طبقہ علما بھی حیرت زدہ رہ جاتا اور لاجواب ہو کر اٹھ جاتا۔

ان حالات میں طاہرہ کی ذاتی زندگی کا متاثر ہونا کوئی حیرت انگیز امر نہ تھا۔ طاہرہ اپنے مشن سے واپس اپنے گھر آئیں تو اہل خانہ کی سرزنش کا جواب عقلی دلائل اور علمی براہین سے دینے کی کوشش کرتی رہیں۔ زجر و توبیخ اور لعنت و ملامت کے اس سیلاب میں قرۃ العین نے اپنے شوہر کے گھر، جہاں وہ پہلے بھی بہت کم عرصہ رہی تھیں جانے سے انکار کر دیا۔ انہی دنوں قرۃ العین کے سسر ملا محمد تقی مسجد میں قتل کر دیے گئے۔ الزام قرۃ العین پر بھی عائد ہوا، کیونکہ وہ کچھ روز پہلے ہی کہہ چکی تھیں کہ ''چچا! میں تیرا منہ لہو سے بھرا ہوا دیکھ رہی ہوں'' ملا محمد تقی کو خنجر منہ پر مار کر شہید کیا گیا تھا۔ بعد ازاں ملا عبداللہ صالح شیرازی نے قتل کا اعتراف کر لیا۔ قرۃ العین کو ان کے والد کے گھر نظر بند کر دیا گیا۔ وہ باب پر نازل ہونے والی الواح کے فارسی تراجم اور حاشیے لکھتی رہی۔ عبادت و مناجات میں مصروف رہی۔ اس کی شاعری محبوب کے حسن و جمال، لطف و کرم اور شفقت و مہربانی کے تذکرے سے مملو تھی، اس امید کے ساتھ کہ اس کی محبت دل سے وہم و گمان دور کر کے اس کے قلب کو روشن اور شجاع کر دے۔

بخیالت ای نکو رو بدام باشد این دل
بجمالت ای نکو خو بکلام باشد این دل
بتلطّف و تکرّم بتعطّف و ترّحم
بُر باز ما توّہم کہ ہمام باشد این دل

(اے حسین محبوب یہ دل ہمیشہ تیرے ہی خیال میں رہتا ہے۔ یہ دل ترے ہی جمال سے ہم کلام رہتا ہے۔ لطف و کرم اور شفقت و مہربانی سے ہمارے توہم کو دور کر دے تاکہ یہ دل دلیر و شجاع ہو جائے۔)

قرۃ العین کو محسوس ہوا کہ اب قزوین میں اس کا قیام بے کار ہے وہ اس شہر کو، اس جگہ کو چھوڑنا چاہتی تھی کہ جہاں اس کے شوہر اور چچازاد نے اسے زہر دینے کی کوشش بھی کی تھی۔ تعلیمات کا سلسلہ چوری چھپے جاری تھا لیکن وہ اپنی دنیا سے کٹ کر اب یہاں رہنا نہ چاہتی تھی' چنانچہ اس نے قزوین کو خیر باد کہا اور نہایت خاموشی سے چھپتی چھپاتی وہاں سے نکل گئی۔

> ''......اس کے سامنے کھلی زمین اور کھلا آسمان تھا۔ دشت نور اس وقت تک رہنا چاہیے جب تک اس صحرائے حیات کو پار نہ کرلے۔ راہ میں کوئی شجر سایہ دار نہیں تھا۔
>
> وہ تو خود دھوپ تھی کہ حیات بخش عناصر اس سے عبارت تھے۔''باب'' جو خود آئینہ تھا' شش جہات سے اس کے مقابل تھا۔ ہر طرف وہ ہی وہ تھا۔ لقا اللہ، ما کو اس کے بیان کا نقطہ تھا۔ بہا اللہ کہ وزیر زادہ تھا۔ صاحب عز و جاہ تھا۔ باب کا خاص الخاص معتقد تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ ما کو جائے اس سے ملے اور اپنی جان کا بوجھ اٹھائے جو تھک چکی ہے اس آستان پر رکھ دے۔ مگر بہا اللہ نے اسے روکا۔''یہ کیسے ممکن ہے کہ تم وہاں جاؤ اور چھپی رہو۔ خطرات اور نا قابل برداشت مصائب کا مقابلہ ممکن نہیں ہوتا۔ اس نے کہا میں ان خطرات سے نہیں ڈرتی۔''(۲۱)

قرۃ العین جانتی تھی کہ:

یہ عشق نہیں آساں، بس اتنا ہی سمجھ لیجے
اِک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

وہ اپنے مقصد کی تکمیل میں ہر خدشے اور ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہی ہر چند کہ اس امر سے بھی آگاہ تھی کہ عشق بازیچہء اطفال نہیں ہے۔

نہ بازی است رفتن بمیدان عشق
کہ از صد ہزاراں یکی پافشرد

(میدان عشق میں کودنا کوئی کھیل تو نہیں ہے۔ ہزاروں لاکھوں میں کوئی ایک ہی اس پر تیار ہوتا ہے)

زندگی اور موت، اذیت و راحت، غم اور خوشی سبھی لفظ اس کے لیے مترادف ہوگئے۔ شک وشبہ، شدید تذبذب، اندیشہ، ڈر، خوف، عشق کی اس راہ پرخطر میں یہ سب لفظ بے معنی ہوکر رہ گئے۔ اس کی شاعری میں برتے گئے الفاظ، اس کا لہجہ، انداز اور اسلوب روایتی ہے۔ وہی قدیم خوبصورت کلاسیکی شاعری میں علامات واستعارے، لیکن اس کے اشعار انقلاب برپا کرتے نظر آتے ہیں۔ بات اعلیٰ حکام کی ہو یا اس کی گفتگو واعظ وشیخ سے ہو۔ اس کے بے باکانہ لہجہ اور جراتِ انداز حیران کن ہے۔

محتسب است وشیخ ومن صحبت عشق درمیان
ازچہ کنم مجابشان پختہ یکی و خام دو

(ادھر محتسب ہے شیخ ہے اور ادھر میں ہوں عشق کی گفتگو درمیان ہے۔ میں ان کو جواب کیوں کردوں کیونکہ پختہ ایک ہے اور وہ خام دو ہیں۔)

دیگر شنید شیخ ہرمسند تز دیر
دیگر نہ شود مسجد دکان تقدیس
بریدہ شود رشتہ تحت الحنک ازدم
نہ شیخ بجا ماند، نہ رزق و تدلس

ترجمہ: اب شیخ مسندِ مکروتزویر پر نہ بیٹھے۔ اب کسی مسجد تقدس کی دکان نہ بنے۔ دستار کا طرہ کاٹ دیا جائے تاکہ نہ شیخ اپنے منصب پر رہے نہ ہی اس کا مکروفریب

جناب طاہرہ ایسی مردانگی سے شہادت ثابت قدمی اور قدرت دکھاتیں کہ جو بھی ان سے ملتا یا گفتگو کرتا یا سنتا وہ اپنی فکر میں وسعت پاتا اور اس ذمہ داری کا بخوبی احساس کر لیتا جو عورتوں پر عائد ہوتی ہے۔ (۲۲)

عشق قرۃ العین طاہرہ کی شاعری کا بنیادی استعارہ ہے۔ آتش عشق کے سرخ لپکتے شعلے اس کے جسم وجاں کو اپنے حصار میں لیے ہوئے ہیں۔ ابھی وہ اس منزل پر نہیں پہنچی کہ جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا، کریدتے ہو جواب راکھ جستجو کیا ہے۔۔۔ ابھی وہ بھڑکتا شعلہ ہے۔ علامہ اقبال جاوید نامہ کے پیر رومی کی رہنمائی میں فکری سفر میں جب فلک مشتری تک پہنچتے ہیں تو قرۃ العین طاہرہ خاتون عجم منصور حلاج اور غالب، سرخ دہکتے لبادوں میں ملبوس دکھائی دیتے ہیں، جن کے چہرے سوز دروں سے چمک رہے ہیں۔ عشق ہی سے سوز حیات اور کائنات میں جذب وکیف، رنگ وخوشبو کا وجود ہے۔ قرۃ العین عشق مجازی میں بھی گرفتار ہے اور عشقِ حقیقی کی بے قراری اور تڑپ اسے کو بہ کو تلاش محبوب میں سرگرداں رکھتی ہے۔ منزلِ عشق تک رسائی ہی کی خواہش میں وہ غم ومحن، رنج وملال اور تمام تر آزمائشوں کو بخوشی جھیلتی ہے۔ اپنی شناخت کی متلاشی ہے اور اس تلاش میں اسے دل ہر قطرہ ہے سازِ ان البحر کا پیغام سنائی دیتا ہے۔

من زیم تو نیم ہم نی زکم و زبیش ہم
چوں بتو متصل مقدم بے حدد انتہا منم

ترجمہ: میں تیرے دریا سے جدا نہیں ہوں۔ اس سے کم وبیش نہیں ہوں۔ میں جب سے تجھ سے ملی ہوں۔ بے

حداور بے انتہا ہوگئی ہوں۔

قرۃ العین طاہرہ کی شاعری، محبت کی شاعری ہے۔اس کے اشعار محبوب کے حسن و جمال اس کی تعریف وتوصیف، قدرومنزلت اوراس کے نور کے سامنے خود کوایک ذرہ سمجھنے اوراس کی محبت میں فنا ہو جانے کی خواہش پر محیط ہیں۔

بگذر زمنزل ماومن بگزین بملک فنا وطن

فاذا دخلت زا فلقد بلغت بماتشا

ترجمہ: ما اور من کی منزل سے گزر جا۔ ملک فنا کو اپنا وطن بنانے جب تو ایسا کرے گا تو یقیناً اپنے مقصد کو پا لے گا

قرۃ العین طاہرہ کے شعری منظرنامے میں تشبیہات استعارات، علائم، کنایہ، مراۃ النظیر وصنعت تضاد نمایاں ہے۔ واحد متکلم میں کہی گئی غزلیں قاری کو شاعرہ کے بے حد قریب کر دیتی ہیں۔ احساس برتری کبھی مبالغہ آرائی کی حد کو چھو لیتا ہے اور کبھی طاہرہ سوز دروں سے یوں مضطرب ہوتی ہے کہ اسے دونوں جہاں اوراس میں اپنی ہستی سبھی ایک ذرہ ناچیز اور محبوب کی ذات تمام عالم پر محیط دکھائی دیتی ہے۔ ایجاز واختصار اس کے شعر کا اہم وصف ہے ایک لفظ بھی غیر ضروری طور پر برتا نہ گیا اور مفہوم کی ادائیگی مکمل انداز میں سامنے آئی۔اس کے لفظ توانائی رکھتے ہیں۔ توانائی، تازگی اور قطعیت کو درست طور پر برتا جانا شعر کو حسن وخوبی عطا کرتا ہے۔اس کا قطعی لہجہ قاری کو اس سے متنفر نہیں کرتا بلکہ غیر شعوری طور پر وہ اس سے متفق ہو یا نہ ہو اثر ضرور قبول کرتا ہے۔

وہ اپنے داخلی آہنگ کو لفظی پیکر دینے کا سلیقہ رکھتی ہے۔ آواز اور صوتیات کے اتار چڑھاؤ پر جوش ومترنم بحریں، قوافی وردیف کا انتخاب طویل بحر میں کہی گئی غزلیں، پڑھنے سے زیادہ سننے سے تعلق رکھتی ہیں۔اس کی شاعری کا اسلوبیاتی تجزیہ کیجئے تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ لکھنے سے زیادہ کہنے کی قائل ہے۔ گفتگو کا لہجہ، لفظوں کی ترتیب اور نشست وبرخاست شعر کو روانی عطا کرتی ہے اور تاثیر بھی۔اس امر سے صرف نظر ممکن نہیں کہ جوش طبیعت، ہجرو فراق کی تپش اور شدید نوعیت کے احساسات نے تکرار لفظی اور تکرار حرفی سے نغمگی ہی نہیں گہرا تاثر پیدا کیا ہے۔

گربتو افتدم نظر چہرہ بہ چہرہ رو برو

شرح وہم غم تو را نکتہ بہ نکتہ مو بہ مو

ترجمہ: اگر مجھے ترے روبرو ہونے اور آمنے سامنے آنے کا موقع ملے تو میں ترا غم نکتہ بہ نکتہ اور ہو بہو بیان کروں۔

ازپئے دیدن رخت ہمچو صبا فتادہ ام

خانہ بخانہ، در بدر، کوچہ بہ کوچہ، کو بہ کو

ترجمہ: میں ترے چہرے کے دیدار کے لیے بادصبا کی مانند گھر گھر، دردر اور کوچہ کوچہ پھرتی ہوں۔

می رود از فراق تو خون دل از دو دیدہ ام

دجلہ بہ دجلہ، یم بہ یم، چشمہ بہ چشمہ، جو بہ جو

ترجمہ: تیرے ہجر وفراق میں میری آنکھوں سے دجلہ دجلہ، دریا دریا، چشمہ چشمہ اور نہر نہر خون بہہ رہا ہے۔

در دل خویش طاہرہ گشت و ندید جز تُرا

صفحہ بہ صفحہ، لا بہ لا، پردہ بہ پردہ، تُو بہ تُو

ترجمہ: طاہرہ نے اپنی کتاب دل کا ایک ایک صفحہ ایک ایک تہہ اور ایک ایک پردہ دیکھ لیا لیکن وہاں ترے عشق کے بغیر کچھ بھی نہ پایا......

کعبہ توئی، صنم توی دیر توی حرم توی

دلبر محترم توی، عاشق بینوا منم

ترجمہ: تو ہی کعبہ ہے، تو ہی صنم ہے، تو ہی دیر ہے تو ہی حرم ہے۔ محترم محبوب تو ہی تو ہے میں تو محض بے نوا عاشق ہوں۔

قرۃ العین نے اپنی شاعری میں مختلف تخلص طاہرہ، قرۃ اور طوطی برتے ہیں۔ طاہرہ کی غزلیات کی زبان مغلق اور لغات نامانوس ہیں استعارات وکنایات قدیم و روایتی ہیں، عربی کے مشکل ترین الفاظ بھی مستعمل ہیں، شعری موضوعات میں محبوب کی مدح وثنا، ہجر وفراق، بشارتِ ظہور، شوقِ دیدار وشوق شہادت غم وابتلا پیغام انقلاب نمایاں ہیں، نظمیں صاف وشستہ فارسی، سادہ وسلیس عربی اور بعض اوقات ادق عربی و فارسی الفاظ وتراکیب بھی نظر آتی ہیں مثنوی، قصیدہ، غزل اور نغمات جیسی اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔

قرۃ العین طاہرہ، یک پارہ آتش است، دلش نام کردہ اند، کی کیفیت سے دوچار رہی۔

زدلم شرارہ بارد کہ نسب زنار دارد

زچہ روثمر نیارد کہ بکام باشداین دل

ترجمہ: مرے دل سے وہ شعلے برستے ہیں جو آگ کی نسل سے ہیں پھر اس کا کوئی نتیجہ کیوں نہیں نکلتا کہ دل کی مراد برآئے۔

بدیار عشق تو ماندہ ام کس ندیدہ عنایتی

بہ غریبم نظری مکن کہ تو پادشاہ ولایتی

ترجمہ: میں تمہارے عشق کے دیار میں پڑی ہوئی ہوں۔کسی سے کوئی لطف وکرم نہیں دیکھا۔میری غریب الوطنی پر ایک نظر ڈالیں لو کہ تم ہی بادشاہ ولایت ہو۔

علی محمد باب جس نے اسے طاہرہ کا لقب دیا تھا،اس کا نادیدہ محبوب تھا۔

دوسری طرف باب پابند سلاسل تھا۔''باب'' کو ماکو سے تہران لے جایا گیا۔اس پر سختیاں اور پابندیاں زیادہ کردی گئیں۔قید کے دوران وہ بائیبل اور تورات اور آسمانی صحیفے پڑھتا تھا اور البیان لکھنے میں لگا رہتا تھا کہ اس پر کلام نازل ہوتا ہے۔اس نے محمد علی بارفروش کو دستار فضیلت اور باب الباب کو بھی دستار بخشی تھی۔۔بارفروش کے دل میں شک وشبہات تھے،مگر وہ ایسا جوان تھا،جس نے جوراہ ایک بار اختیار کرلی اس پر زندگی اور موت کی پروا کیے بغیر اسے چلنا تھا۔۔قرۃ العین کا حسن اور جاذبیت اسے اس عمل سے زیادہ پرکشش لگتی تھی،جس کا اسے دعویٰ تھا۔۔ اس کے باوجود کہ وہ عمر میں اس کی بڑی بہن کے برابر ہوسکتی تھی وہ اس کے عشق میں مبتلا ہوگیا۔(۲۴)

وہ باب کے علم ودانش سے مرعوب ہوکر اس پر ایمان لائی تھی اور اس سے والہانہ محبت کرنے لگی تھی وہ اس کے خوابوں کی تعبیر تھا۔وہ مبہم سے خواب جنہیں وہ بچپن سے دیکھتی آ رہی تھی۔نارسائی کا دکھ ہمیشہ اس کے ساتھ رہا۔ وہ دیدار سے ہمیشہ محروم رہی۔وہ اس کے فراق میں شعر کہتی رہی۔لوگ داد دیتے رہے۔علی محمد باب بہا اللہ کی نوید دے چکا تھا۔

> ''......طہران میں حضرت طاہرہ کے رشتہ داروں میں سے ایک نے مجھے بتلایا کہ حضرت طاہرہ نے شہنشاہ کو بتلا دیا کہ آپ حضرت بہا اللہ کو مانتی ہیں اور حضرت بہا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ نئے یوم اللہ کا اعلان کریں۔میں نے اس سے وضاحت کے لیے پھر پوچھا کہ کیا اس کی مراد حضرت باب سے ہے۔مگر اس نے کہا نہیں میں نے حضرت بہا اللہ کہا تھا۔''(۲۵)

طاہرہ کے اشعار اس سرخوشی کو ظاہر کرتے ہیں جو آفتاب بہا کے منظرِ عام پر آنے سے ہوئی۔عربی وفارسی کے تال میل سے پیدا ہونے والے آہنگ نے اس کیفیت کو دوچند کردیا ہے جو اسے آفتاب بہا کے طلوع ہونے سے ہوئی۔

طلع البہاء واشرقت ظہرا لبہاء والمعت

قلل الوجود نسیّرت فلکا لوجہ جمالہ

ترجمہ: آفتابِ بہا طلوع ہوکر خوب چمک رہا ہے۔بہا ظاہر ہوکر درخشاں ہوگیا۔عالمِ وجود کے پہاڑ اس کے حسین وجمیل چہرے کے اردگرد طواف کرنے لگے۔

عبدالحلیم شرر زریں تاج کی شاعری میں الفاظ کے در و بست، ہنرمندی و چابک دستی کو سراہتے ہوئے استفسار کرتے ہیں کہ تمام فارسی دواوین کنگال ڈالیے، ان کا جواب ملنا مشکل ہے۔ ان میں کیسا جوش و ذوق، کیسی فصاحت و بلاغت، کیسی بلند خیالی اور شوکتِ الفاظ ہے، وہ کون سی شاعرانہ خوبی ہے جو اس کے اشعار میں موجود نہیں۔

قرۃ العین کا اسلوبِ شعر ان تمام واقعات و سانحات سے تشکیل پاتا ہے جن سے وہ گزری، لفظ صدیوں پرانے سہی لیکن قرۃ العین کی انفرادی حسیت نے انھیں نئی معنویت دی، یہ اسلوب اس کی شناخت کا باعث ہوا، یوں اسلوب و شخصیت لازم و ملزوم ٹھہرے۔ قرۃ العین ایک نئے لہجے کی بانی اور نئے لحن سخن کی موجد قرار پائی۔ یہ لہجہ اور لحن بابی (محمد علی باب صرف شخصیت کا اثر) بعد میں بہائی (پورے مذہب کا اثر) اس کی شاعری کی خصوصیت بن گیا۔ علی محمد باب، ملا حسین بشروی (باب الباب)، محمد علی بارفروش (جناب قدوس) اور قرۃ العین طاہرہ کے انقلاب آفرین خیالات عوام کو ایک نیا رُخ، ایک نیا اندازِ زیست دینا چاہتے تھے۔ وہ ظلم کو مٹانا اور جہالت کو دور کرنا چاہتے تھے۔ مساوات اور عدل کی حکمرانی کے خواہش مند تھے۔

محکوم شود ظلم ببا زوئے مساوات
معدوم شود جہل ز نیروے تفرس
گسترده شود در ہمہ جا فرشِ عدالت
افشانده شود درہمہ جا تخمِ تونس

ترجمہ: مساوات کی طاقت سے ظلم کو دبا دیا جائے۔ جہالت' علم و فراست کو طاقت سے مٹ جائے۔ ہر جگہ فرش عدالت بچھا دیا جائے اور ہر مقام پر دوستی و موانست کا بیج بو دیا جائے۔

یہ خیالات اگر مذہب سے متصادم نہ ہوتے تو شاید عملی طور پر وہ کامیاب ہو جاتے۔ علی محمد باب اور محمد علی بارفروش اپنے مذہب کی تبلیغ میں انتہا پسند ہو رہے تھے۔ ملک شورشوں کی زد میں تھا۔ ہر دو مذاہب کے افراد ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے۔ علی محمد باب اور محمد علی بارفروش کو سزائے موت دے دی گئی۔ قرۃ العین طاہرہ بھی گرفتار کر لی گئی۔ بادشاہ کے دربار میں پیش ہوئی۔ بادشاہ حسن جہاں سوز دیکھ کر حیران رہ گیا۔ فقط اتنا کہا:

''بگزارید کہ روئے زیبا دارد''

رہائی کے بعد طاہرہ کلانتر (میر) کے گھر مقید رہی۔ ناصر الدین شاہ نے اسے پیغام بھیجا کہ وہ بابیت سے انکار کر کے سچی مسلمان بن جائے تو اسے بلند منصب عطا ہو سکتا ہے۔ طاہرہ نے شاہ کی خدمت میں ایک شعر لکھ کر بھیج دیا۔

تو و ملک و جاہِ سکندری، من و رسم و راہِ قلندری
اگر آن نیکو است تو در خوری، وگراین بدست مراسزا

ترجمہ: ایک تو ہے کہ تیرا مقدر سکندرِ اعظم کا سا ملک و جاہ ہے۔ ایک میں ہوں کہ میرا نصیب درویشانہ رسم وراہ ہے۔ اگر وہ اچھا ہے تو تجھے مبارک ہو اور اگر یہ برا ہے تو میں اس کی حقدار ہوں۔

شاہ نے قرۃ العین کو دربار میں طلب کیا اور سوال کیا کہ تم حضرت باب پر کیوں ایمان رکھتی ہو؟ اس کے جواب میں قرۃ العین نے سورۃ الکافرون کی تلاوت کی۔

اے نبی ﷺ کہہ دیجئے اے کافرو! میں ان بتوں کی عبادت نہیں کرتا، جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو۔ جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین میرے لیے میرا دین۔ اگلے روز بادشاہ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ وہ اس سے بچ گیا اور بابیوں کی سرکوبی کا حکم دیا گیا۔

قرۃ العین کو کلانتر کے گھر سے لے جایا گیا۔

> ''کشاں کشاں تاریک کوچوں میں سے اسے ایلخانی باغ، تہران کی طرف لائے۔ ہوا چپ تھی، فضا میں سناٹے گرج رہے تھے بجلی کے لہریئے کی طرح نقاب میں وہ نگار چہرہ جیسے رات کے دامن میں لپٹا چاند ہو۔ بد بخت سیاہ حبشی شراب کے نشے میں مدہوش تھا، جب سردار کل عزیز خان نے اسے ٹھوکر مار کر جگایا اور حکم دیا کہ بابی عورت کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کردے......نقاب منہ پر کسا ہوا تھا اور تانت اندر تک اتر گئی تھی۔ سفید لباس میں لپٹا بدن کپکپاتا تھا اور ساکت ہو جاتا تھا......سردار کل عزیز خان نے اس کے جسم کو گھسیٹ کر اندھے کنویں میں لڑھکا دیا، غلاموں نے کاہنہ کے وجود کو سنگسار کرنے کے لیے کنویں کو مٹی پتھر اور خشک پتوں سے ڈھانپ دیا۔''(۲۶)

> ''جب اسے موت کی سزا سنائی گئی تو اس کی مرمریں گردن میں پھندا ڈالنے کے لیے جلادوں نے انکار کر دیا......وہ عورت قرۃ العین تھی۔ گلابوں کے گہوارے قزدین کی پردہ دار، جید ملا کی بیٹی، کٹر مسلمان گھرانے کی چشم و چراغ، قرآن وحدیث کی عالم، فقہ و شریعت کی ماہر۔'' ۲۷

ناصر الدین شاہ قاچار جس نے اسے راہِ راست آنے کے بعد ملکہ بنانے کی پیشکش بھی کی تھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوا کہ تاریخ عالم میں آج تک ہمارے لیے اس جیسی عورت کو پیش نہیں کیا۔

عزیز احمد زریں تاج کی زبانی رقم کرتے ہیں۔

> ''......ناصر الدین شاہ نے جب مجھے اپنی خاص الخاص ملکہ، اپنی نوجہاں بنانا چاہا تو میں ہنسی ایک شعر جو میں نے بڑی عقیدت سے انکسار و عجز کے عالم میں باب کے لیے لکھا تھا اب استغنا و

طنز کے عالم میں شہنشاہ کو لکھ بھیجا......تو وہ ملک و......اور ظاہر ہے کہ اس جراتِ انکار کی سزا مجھے کیسے نہ ملتی۔ میں بڑی بے دردی سے قتل کی گئی۔ اپنی موت کا مزا اور اس کی تفصیل مجھے یاد نہیں۔ باغ میں کانت سے میرا گلا گھونٹ دیا گیا۔ مجھے کنویں میں دھکیل دیا گیا اور کنویں کو پتھروں سے پاٹ دیا گیا...... یا میری زلفیں چاروں طرف سے کاٹ ڈالی گئیں اور باقی بالوں کو خچر کی دم میں باندھ کے گھسیٹتے ہوئے مجھے دارالقضا لے گئے۔''(۲۸)

''قرۃ العین عروسانہ لباس پہن کر اس موت سے ہم آغوش ہونے کے لیے تیار ہوئی جو اس کی تمام تمنائیں پوری کرنے والی تھی۔ سردار نے ایک حبشی غلام کو شراب پلا کر بدمست کر رکھا تھا۔ اس حبشی نے باغ کے ایک کونے میں قرۃ العین کے منہ میں رومال ٹھونس کر گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ لاش کو ایک روایت کے مطابق کنویں میں ڈال دیا گیا اور مٹی اور پتھروں سے ڈھک دیا گیا اور دوسری روایت کے مطابق اس کو جلا دیا گیا۔''(۲۹)

یوں اپنے آدرش کے حصول اور اپنے مقصد میں ثابت قدم رہ کر جان قربان کر دینے کی جرات و بہادری کی ایک داستان رقم ہوئی۔ اس بات سے انکار نہیں کہ اگر بابیت / بہائیت کو قرۃ العین طاہرہ جیسی شجاع اور ثابت قدم خاتون کا تعاون، صبر و استقلال اور صلاحیتیں میسر نہ ہوتیں تو اس کی ترویج کی رفتار دم توڑ چکی ہوتی۔ اس نے اپنی جان کا نذرانہ دے کر نہ صرف خود کو بلکہ اس مذہب کو بھی زندگی عطا کر دی۔

''او نادان! کیا تو سمجھتا ہے کہ تو اس طرح اسے زمین میں گاڑ دے گا۔ وہ تو دوبارہ نمودار ہو جائے گی اور تم سب کے روبرو ہمیشہ موجود رہے گی اب طاہرہ ابد تک جرات' اخلاقی اور صداقت کے نام سے زندہ رہے گی۔''(۳۰)

قرۃ العین طاہرہ حسن و خوبصورتی میں بے مثال تھی۔ خوبصورت آواز رکھتی تھی۔ اس کی لیاقت کی دنیا قائل تھی۔ آزادی نسواں کے لیے اس کی جدوجہد کے سبھی معترف تھے۔ بحث و مناظرہ میں اس کی ذہانت، علم اور شعلہ بیانی کے سامنے بڑے بڑے علما نہ ٹھہر سکے اور جس نے پردہ ترک کر کے اپنے حسن جہاں سوز اور اپنی ذہانت سے ایک دنیا کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔

''اس بزرگ خاتون کی تبلیغ یہ ہے کہ سرزمین ایران میں سماجی اصلاحات کا آغاز انہی سے ہوا۔''(۳۱)

اس بات سے قطع نظر کہ وہ اپنی عائلی زندگی سے مطمئن نہ تھی۔ شوہر سے قطع تعلق کے بعد وہ علی محمد باب، بہاءاللہ اور محمد علی بارفروش کو اپنے عقائد کی بنا پر ہی سہی محبوب کا درجہ دیتی ہے۔ ان عقائد کے لیے کہ جن میں کوئی جان نہیں جو صرف جذباتی لوگوں کے ذہن کی اختراع ہیں، لیکن یہی نظریات اور عقائد اور ان کی ترویج و اشاعت اس

کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ بن گئی۔ کوئی لالچ، دباؤ یا خوف اسے راہ سے نہ ہٹا سکا کہ اپنے آدرش سے وفاداری کا تقاضا یہی تھا۔

وفا داری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

حوالہ جات

۱۔ صابر آفاقی، قرۃ العین، مشمولہ: ماہنامہ تخلیقِ اُردو ادبیات، ص ۷

۲۔ کرار حسین ماہِ نو، قرۃ العین طاہرہ، چالیس سالہ مخزن، ص ۱۲۳

۳۔ عزیز احمد، زریں تاج، ص ۲۵

۴۔ اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا، ص ۴۶

۵۔ شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا، لاہور: شعاع ادب، ص ۷۵۵

۶۔ مسعود جاوید، خاتون عجم، مارچ، اپریل، ص ۸۴

۷۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۲۴۹

۸۔ مارتھا ایل روٹ، قرۃ العین طاہرہ، ص ۲۴

۹۔ مارتھا ایل روٹ، قرۃ العین طاہرہ، ص ۳۲

۱۰۔ مارتھا ایل روٹ، قرۃ العین طاہرہ، ص ۵۶

۱۱۔ مارتھا ایل روٹ، قرۃ العین طاہرہ، ص ۵۷

۱۲۔ کرار حسین، قرۃ العین طاہرہ، ماہِ نو، چالیس سالہ مخزن، ص ۱۲۳

۱۳۔ مارتھا ایل روٹ، قرۃ العین طاہرہ، ص ۱۲۔۱۱

۱۴۔ مختار مسعود، لوحِ ایام، فیروز سنز فروری ۱۹۹۴، ص ۲۸۲

۱۵۔ سید قاسم محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص ۲۸۲

۱۶۔ مارتھا ایل روٹ، قرۃ العین طاہرہ، ص ۲۴

۱۷۔ سیّد قاسم محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۲۸۴

۱۸۔ مارتھا ایل روٹ، قرۃ العین طاہرہ، ص ۳۲

۱۹۔ کرار حسین، قرۃ العین طاہرہ، ماہِ نو، چالیس سالہ مخزن، ص ۱۲۶۔۱۲۵

۲۰۔ مارتھا ایل روٹ، قرۃ العین طاہرہ، ص ۳۵

۲۱۔ جمیلہ ہاشمی، چہرہ بہ چہرہ رو برو، ص ۵۱

۲۲۔ مارتھا ایل روٹ، قرۃ العین طاہرہ، ص۱۶۳

۲۳۔ شاہد مختار، قرۃ العین طاہرہ، ص۹۳۔۹۲

۲۴۔ جمیلہ ہاشمی، چہرہ بہ چہرہ روبرو، ص۸۲

۲۵۔ مارتھا ایل روٹ، قرۃ العین طاہرہ، ص۵۴

۲۶۔ جمیلہ ہاشمی، چہرہ بہ چہرہ روبرو، ص۱۱۳۔۱۱۰

۲۷۔ صادق الخیری، مارتھا ایل روٹ، قرۃ العین طاہرہ، ص۱۲۵

۲۸۔ عزیز احمد، زریں تاج، ص۲۹۔۲۸

۲۹۔ کرار حسین، قرۃ العین طاہرہ، ماہِ نو، چالیس سالہ مخزن، ص۱۲۷

۳۰۔ دری فوس بارنی، مارتھا ایل روٹ، قرۃ العین طاہرہ، ص۱۶۳

۳۱۔ ڈاکٹر ٹی کے چینی، مارتھا ایل روٹ، قرۃ العین طاہرہ، ص۱۶۴

مآخذ

۱۔ آفاقی، ڈاکٹر صابر، قرۃ العین طاہرہ، اُردو ادبیات میں، مشمولہ: ماہ نامہ، تخلیق، لاہور: پرانی انارکلی

۲۔ ایضاً، اقبال اور خاتونِ عجم، مشمولہ: ہفت روزہ، مہارت، لاہور

۳۔ احمد عزیز، زریں تاج، مشمولہ: ماہ نامہ، سویرا، لاہور

۴۔ اقبال، علامہ محمد، جاوید نامہ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۷ء

۵۔ جاوید مسعود، خاتونِ عجم، مشمولہ: رجحان، کراچی، ۱۹۹۰ء،

۶۔ حسین کرار، قرۃ العین طاہرہ، مشمولہ: ماہِ نو، چالیس سالہ مخزن، لاہور: ادارہ مطبوعات پاکستان، ۱۹۸۷ء

۷۔ خان، سہیل احمد، طرفیں، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء،

۸۔ روٹ، مارتھا۔ ایل، مترجم: عباس علی بٹ، طاہرہ قرۃ العین، مترجم: عباس علی بٹ، کراچی بہاپبلی شنگ ٹرسٹ۔

۹۔ شاہد مختار ڈاکٹر، قرۃ العین طاہرہ، لاہور: شاہد پبلشرز

۱۰۔ شرر، عبدالحلیم، قرۃ العین، لکھنؤ: دلگداز پریس، ۱۹۳۲ء

۱۱۔ مسعود مختار، لوحِ ایام، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۴ء

۱۲۔ منظور الٰہی، قرۃ العین، مشمولہ: نقوش، لاہور: ۱۹۶۵ء

۱۳۔ نظامی سراج، قرۃ العین طاہرہ، مشمولہ: سیارہ ڈائجسٹ، لاہور: ۱۹۶۸ء

۱۴۔ ہاشمی جمیلہ، چہرہ بہ چہرہ روبرو، لاہور: ۱۹۸۳ء

۱۔ اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا لاہور

۲۔ شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، لاہور، شعاع ادب

۳۔ فیروز سنز انسائیکلوپیڈیا، لاہور: ۱۹۸۴ء

۴۔ قاسم محمود، سیّد، شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، لاہور مکتبہ شاہکار: ۱۹۷۷ء

❀❀❀